تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۱)

عليكم من الحديث بما كان في عهد عمر فانه قد اخاف الناس في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (تذكرة الحفاظ)

لوگو ان ہی حدیثوں کو قبول کرو، جو عمر کے زمانے کی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے حدیثوں کے بیان کرنے پر عمر نے لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اکثار یعنی بکثرت حدیثوں کی روایت سے ممانعت کی صرف یہ توجیہ کہ زیادہ روایت کرنے والوں سے احتیاط کی توقع جیسی کہ چاہئے نہیں کی جاسکتی تمام حالات میں تو یہ صحیح ہے مگر مجھ ہی سے آپ سن چکے ہیں کہ صحابہ میں بھی اور صحابہ کے بعد بھی محدثین میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا جاتا تھا جن کی یادداشت اور حافظہ کی قوت کا تجربہ کیا گیا۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ دو تین نہیں بلکہ سیکڑوں حدیثیں ان بزرگوں کو اس طریقہ سے یاد تھیں کہ سال سال بھر کے بعد ان سے دوبارہ پھر وہی حدیثیں پوچھ کر لکھی گئیں اور پہلے لکھائے ہوئے مسودے سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کی کمی بیشی نہیں پائی گئی۔ آخر جن لوگوں کو اپنی روایتوں پر اتنا اعتماد ہو جیسا کہ ابوزرعہ کے حال میں گذر چکا کہ قسم کھانے والے نے یہ قسم کھائی کہ ابوزرعہ کو ایک لاکھ حدیثیں اگر زبانی یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق پڑ جاتی پھر ان ہی سے دریافت کرنے آیا، جواب میں ابوزرعہ نے کہا تھا کہ اطمینان سے تو اپنی بیوی کو اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس رکھو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان کی کیفیت اور کیا ہو سکتی ہے۔

میں یہی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی روایتوں کے متعلق جن کے اطمینان کی یہ حالت ہو، آخر ان کو کثرتِ روایت سے روکنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یاد رکھنے والوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے حضرت عمرؓ بھی لوگوں سے یہی کہتے تھے کہ جن لوگوں نے میری باتوں کو یاد رکھا ہے، چاہیئے کہ وہ ان کو دوسروں تک پہنچائیں حافظ ابن عبدالبر نے حضرت عمرہی کے حوالہ سے ان کا ایک قول حدیثوں کی روایت کے متعلق نقل کیا ہے، یعنی قیس بن عباد کہتے تھے

سمعت عمر بن الخطاب	میں نے عمر بن الخطاب سے سنا کہ جس نے
یقول من سمع حدیثا فادا ہ	حدیث سنی اور جو کچھ سنا تھا اسی کو اس نے ادا
کما سمع فقد سلم (ص۱۲۳ ج۲ جامع)	کردیا تو وہ محفوظ ہو گیا (یعنی روایت کی ذمہ داری کو اس نے پورا کردیا)

ظاہر ہے کہ حضرت کے یہ الفاظ عام ہیں، ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جن کی روایتوں کی تعداد قلیل ہو، اور ان کو بھی جن کی روایتوں کی تعداد کثیر ہو، شرط صرف یہ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ اس نے سنا ہو اسی کو اگر وہ بیان کر رہا ہے تو اپنی ذمہ داری اس نے پوری کردی۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے متعلق جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ان لوگوں میں
علیہ وسلم ممن ینظر الیہ ویؤخذ	ہیں جن کی طرف دیکھا جاتا ہے اور ان سے (دین)
عنہ ص۱۲۶ ج۲ جامع بیان العلم	کو اخذ کیا جاتا ہے۔

اگر یہ ان ہی کا بیان ہے اور نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں رسول اللہ کے اصحاب کے متعلق جس کا یہ خیال ہو اور ان ہی صحابۂ کرام کی باتوں کو مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں جو اہمیت حاصل

© rasailojaraid.com

ہو سکتی تھی اس کا اظہار بار بار مختلف مواقع میں جو بایں الفاظ کرتا ہو کہ۔

انتم معاشر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم متی ما تختلفون یختلف من بعدکم ص۹۸ ازالۃ الخفا ج ۲	تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو، جب تم ہی لوگ اس میں اختلاف کروگے تو جو تمہارے بعد آنے والے ہیں وہ بھی باہم مختلف ہو جائیں گے۔

جو ان ہی صحابیوں کو خطاب کرکے یہ پیش گوئی کرتا ہو کہ

انتم اصحاب بدر وقد اختلفتم فمن بعدکم اشد اختلافاً ص ازالۃ الخفا ج ۲	تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابیوں میں ہو جو بدر میں شریک تھے تم ہی جب اختلاف کررہے ہو تو تمہارے بعد جو ہوں گے وہ زیادہ اختلاف کریں گے۔

کیا اسی فاروقی بصیرت سے یہ امر مخفی رہ سکتا تھا کہ ان ہی صحابیوں میں خبرِ آحاد کی حدیثیں عام طور پر مشہور و معروف ہو کر عمومیت کا رنگ جب اختیار کرلیں گی تو آئندہ نسلوں میں یہی رنگ کتنا پختہ اور گہرا ہوتا چلا جائے گا اور دین کے اس حصہ کی تبلیغ میں خاص روش پیغمبر نے قصداً جس مصلحت سے اختیار کی تھی اس مصلحت پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہی ہے کہ منجملہ دیگر مصالح و وجوہ کے اقلالِ روایات پر حضرت عمرؓ کے اصرار کا ایک راز یہ بھی تھا۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ نے قرظہ والی روایت جس میں اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایتیں رسول اللہ سے کم بیان کرنا، کی وصیت کوفہ رخصت کرتے ہوئے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی، اسی روایت کو الدارمی کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے دارمی کا ایک تشریحی فقرہ جو اس حدیث کے آخر میں انھوں نے لکھا تھا یہ بھی درج کیا ہے۔

قال ابو محمد (ہو الدارمی) معناً	ابو محمد (یعنی دارمی) نے کہا کہ میرے خیال میں حضرت عمرؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عندی الحدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس السنن والفرائض ص۱۳۱
کہ اس قول کا یعنی اقلال روایت پر اصرار کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام کی حیثیت سنن اور فرائض کی نہیں

الدارمی کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ افسوس ہے کہ اس کی تفصیل کا صحیح مقام "تدوین فقہ" والی کتاب ہو سکتی ہے، تاہم مختصراً یہاں بھی اتنا اشارہ نامناسب نہیں ہوگا کہ "البینات" میں نے دین کے جن عناصر و حقائق کا نام رکھا ہے اس کی تعریف تو پہلے کر چکا ہوں لیکن مصداقاً قرآنی مطالبات اور ان کے عملی تشکیلات ان کے اہم اجزا ہیں مثلاً اقیموا الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ کا مطالبہ قرآن میں کیا گیا ہے، لیکن "الصلوٰۃ" کی عملی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی، میرے نزدیک الدارمی کے مذکورہ بالا الفاظ میں فرائض سے قرآنی مطالبات اور سنن سے ان ہی فرائض کی عملی شکلیں مقصود ہیں کچھ یہی نہیں بلکہ عام طور پر حدیثوں میں فرائض کے بعد سنن کا لفظ جہاں جہاں آیا ہے میں تو اس کا مطلب یہی سمجھتا ہوں مثلاً حضرت ابو موسیٰ جب کوفہ کے والی حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر ہو کر آئے تو اس وقت آپ نے تقریر کرتے ہوئے یہ جو کوفہ والوں سے فرمایا تھا کہ

بعثنی الیکم عمر بن الخطاب اعلمکم کتاب ربکم وسنت نبیکم ازالۃ الخفاء ص۲۱۵ ج۲
مجھے تم لوگوں کے پاس عمر بن الخطاب نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہارے رب کی کتاب (قرآن) تمہیں سکھاؤں اور تمہارے رسول کی سنت کی تعلیم تمہیں دوں

تو کتاب کے بعد سنت کا جو لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ کتابی اور قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات ہی کی طرف اشارہ ہے حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے جب یہ مطالبہ پیش کیا کہ

لا تحدثونا الا بالقرآن
قرآن کے سوا ہمارے سامنے اور کچھ نہ بیان کرو۔

تو یہی "سنن" تھے جن کو پیش کرتے ہوئے آپ نے سمجھایا تھا کہ ان "سنن" یا عملی طریقیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بغیر قرآنی احکام کی تعمیل کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے ۔ روایت میں ہے کہ جس شخص نے کہا تھا کہ قرآن کے سوا اور کسی چیز کا تذکرہ نہ کیا جائے حضرت عمران نے اس سے کہا کہ میاں ادھر میرے قریب آجاؤ جب وہ آپ کے پاس آگیا تو آپ نے اس کو سمجھانا شروع کیا پہلے آپ نے الصلوٰۃ ہی کو لیا جس کا بار بار قرآن میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے پوچھنا شروع کیا۔

ارءیت لو وکلت وانت اصحابك	تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نوا رفقار ہیں
الی القرآن اکنت تجد فیہ	صرف قرآن ہی پر ٹیک لگالیں گے، تو کیا قرآن
صلاۃ الظہر اربعاً وصلاۃ	میں پا سکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعتوں پر اور عصر
العصر اربعاً والمغرب ثلاثا	کی بھی چار اور مغرب کی نماز تین رکعتوں پر مشتمل ہے

پھر آپ نے تمثیلاً حج کا ذکر کیا اور فرمانے لگے

ارءیت لو وکلت انت واصحابك	تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نوا رفقار ہیں صرف
الی القرآن اکنت تجد الطواف	قرآن ہی پر ٹیک لگالیں گے تو تم قرآن میں پا سکتے
بالبیت سبعاً والطواف بالصفا	ہو کہ بیت اللہ (کعبہ) کا طواف سات دفعہ کرنا چاہئے
والمروۃ	اور صفا و مروہ کا طواف بھی سات دفعہ کرنا چاہئے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حج کے متعلق یہ بھی پوچھا تھا کہ

والموقف بعرفۃ ورمی الجمار	عرفات میں وقوف (قیام) اور رمی جمار کے مسئلہ کو کیا قرآن میں تفصیلاً پا سکتے ہو، شاید عرفات کی جگہ مزدلفہ کا لفظ ہو کیونکہ عرفات کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے (مترجم)

یا چور کے ہاتھ کاٹنے کا قرآن میں اسلامی حکمرانوں کو جو ذمہ دار بنایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ

والید من این تقطع امن ھٰھنا او من ھٰھنا	اور ہاتھ کس طریقہ سے کاٹا جائے کہاں سے یہاں سے یا وہاں سے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ نے گٹے پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہاں سے پھر کہنی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ کیا یہاں سے؟ پھر کندھے کے قریب ہاتھ لے گئے اور پوچھا کہ کیا یہاں سے؟

بہرحال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت اس مسئلے کے تفصیلات میرے پیش نظر نہیں ہیں تفصیلات کے لئے کتاب "تدوین فقہ" کا مطالعہ کیجئے، یہاں مجھے الدارمی کے ان الفاظ کی شرح مقصود ہے جن کا حضرت عمرؓ والی روایت کے اندراج کے بعد انھوں نے اضافہ کیا ہے یعنی "فرائض اور سنن" کے متعلق اثلال کا یہ حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا تھا بلکہ سوالحدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے آپ کے اس حکم کا تعلق ہے" یہ بتانا چاہتا تھا کہ ایسے موقعوں پر "سنن" کا لفظ "فرائض" کے بعد جب بولا جاتا ہے تو مراد ان سے قرآنی فرائض و مطالبات کی عملی شکلیں ہوتی ہیں اور یہی وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی اشاعت میں تو عمومیت ہی مقصود ہے پھر ان کے متعلق "اثلال" کا حکم حضرت عمرؓ کیسے دے سکتے تھے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے یا آپ کے سامنے کرنے والے جو کچھ کرتے تھے یا ان ہی دنوں میں بجائے عام امت کے خاص خاص افراد سے جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں یا خاص لوگوں نے آنحضرت کو کچھ کرتے دیکھا تھا الغرض عہد نبوت کی وہی چیزیں جن کی عمومی اشاعت پیغمبر کی طرف سے مسلمانوں میں نہیں کی گئی تھی جہاں تک میرا خیال ہے الدارمی کے ایام کے لفظ سے یہی مطلب ہے جیسا کہ میں یہی کہتا چلا آرہا ہوں، امام بخاری نے بھی اس قسم کی حدیثوں کی تعبیر قریب قریب ان ہی الفاظ سے کی ہے انھوں نے بھی اپنی مرتبہ کتاب صحیح بخاری کا یہ نام جو رکھا ہے یعنی

"الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ"

میں نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ "امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ" یہ ان ہی حدیثوں کی تو تعبیر ہے جنہیں اپنی کتاب میں امام نے جمع کیا ہے۔ الدارمی اور

لے الکفایہ خطیب صفحہ ۱۶ ج ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخاری میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایام کے ساتھ "امور" کا اضافہ بھی امام بخاری نے کیا ہے اور الدارمی نے صرف "ایام" کے عام اور حاوی لفظ کو کافی خیال کیا بہ ظاہر یہ ایک قسم کی اصطلاح معلوم ہوتی ہے، گویا "خبر آحاد" کی ایک تعبیر یہ بھی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ وہی بات یعنی دین کا بنیاتی حصہ غیر بنیاتی چیزوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے، دونوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے جو یہ طریقہ فرمایا تھا کہ ایک کی تبلیغ و اشاعت میں عمومیت کا رنگ جس حد تک پیدا ہو سکتا تھا اس کے پیدا کرنے پر پورا زور صرف کر دیا گیا، اور گو پہنچانے کی حد تک پہنچا تو دیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شعبے کو بھی لیکن اس کو ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں اس امتیاز کے باقی رکھنے پر زور دیا اور یہی غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان تدبیروں سے تھی، جن کا انتساب روایتوں میں ان کی طرف کیا گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی ازالۃ الخفا میں حدیثوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے خدمات کی تفصیل کرتے ہوئے منجملہ دوسرے مصالح کے ان روایات کا ایک مطلب یہ بھی قرار دیا ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں

باستقرار تام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دار دازغیراں مصروف می ساخت[۱]

اچھی طرح چھان بین تلاش و تفتیش سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فاروق اعظمؓ کی دقیق نظر حدیث کے دونوں حصوں میں امتیاز پیدا کرنے پر جمی رہی یعنی وہ حصہ جس سے شرائع کی تبلیغ اور انسانی افراد کی تکمیل سے تعلق تھا اس میں مشغول ہو کر دوسرے حصہ میں انہماک سے لوگوں کو روکتے تھے

"تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر" کے الفاظ سے جیسا کہ ظاہر ہے قرآنی مطالبات کی عملی تشکیلات ہی کا تعلق ہے گویا الدارمی نے "سنن" کے لفظ سے جس مقصد کو ادا کیا تھا شاہ صاحب نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ واضح الفاظ میں ان ہی کی تعبیر کی ہے اس کے بعد راقم فرماتے ہیں کہ

لہٰذا احادیث شمائل و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد صلا ج ۲ ازالۃ الخفاء	اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل شکل و صورت سے جن حدیثوں کا تعلق تھا اور سنن زوائد یعنی قرآنی مطالبات کی عملی تشکیلات کے سوا حدیثیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس و عادات سے تعلق ہے حضرت عمرؓ اس قسم کی حدیثوں کو کم بیان کرتے تھے۔

ان روایتوں کو حضرت عمرؓ خود بھی کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ ان کا زیادہ چرچا نہ کریں یعنی وہی اقلال روایت کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بھی لکھا ہے کہ

انہا از علوم تکلیفیہ تشریعیہ نیست تحمل کہ چوں اہتمام تام بروایت آں بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن ہدیٰ مشتبہ گردد صلا	چوں کہ ان حدیثوں کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن کا مکلف لوگوں کو بنایا گیا ہے اور عام تشریعی قانون کی حیثیت ان کی نہیں ہے اس لئے اس کا احتمال تھا کہ اگر زیادہ توجہ ان کے بیان اور اشاعت کی طرف کی جائے گی تو سنن زوائد اور سنن ہدیٰ باہم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے

داری یا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال کے پیش کرنے سے میری غرض یہی ہے کہ "اقلال روایت" کی جو وجہ میں نے بیان کی ہے، یہ میرا کوئی انفرادی خیال نہیں ہے، بلکہ ارباب تحقیق نے دوسرے مصالح و وجوہ کے ساتھ مختلف الفاظ میں مجھ سے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے کچھ بھی ہو خبر آحاد والی روایتوں کے متعلق خدمات میں سے ایک خدمت جو یہ تھی یعنی عمومیت کی ایسی کیفیت ان میں نہ پیدا ہونے پاتے جس کی وجہ سے دین کے بنیادی حصے کے مطالبوں کی جو قوت ہے کہیں اسی قوت کو لوگ اس میں محسوس نہ کرنے لگیں، جیسے عہد نبوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نگرانی فرمائی اور گو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وقت ہی کتنا ملا، لیکن جتنا وقت بھی ملا، جہاں دوسرے فرائض آپ نے ادا کئے وہیں اس کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول رکھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو اپنے عہد خلافت کے ابتدائی سالوں میں ہم ان کو بھی اس مسئلہ کی طرف متوجہ پاتے ہیں، بعد کو کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر آئندہ آرہا ہے، لیکن اس سے پہلے ان ہی حدیثوں کی وجہ سے قدرتاً معلومات میں لوگوں کے اختلاف کی جو کیفیت پیدا ہوگئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اختلاف کو اختیاری وارادی مخالفت کے قالب میں ڈھلنے سے جیسے روکا تھا میں چاہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں جو کارروائیاں کی ہیں پہلے ان کا تذکرہ کروں

اس قسم کے مسائل میں بعض چیزوں کے متعلق تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کے دونوں پہلوؤں کے جواز اور تصحیح کی آپ نے کوشش کی ہے مثلاً نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ یا رکوع میں نماز سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھائے جائیں، یعنی وہی رفع الیدین کا مشہور خلافیہ یا اور اسی قسم کے متعدد مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں طرح کی روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان مختلف روایات کو درج کرنے کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ حضرت عمرؓ دونوں پہلوؤں کے جواز کے قائل تھے مثلاً رفع الیدین کے اختلافی روایات کے ذکر کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

والاوجه عندی ان عمر رای رفع الیدین عند الرکوع والقومة منه مستحبا فکان یفعل تارة ویترك اخری (ازالة الخفاء ص ۹۳ ج ۲)

میرے نزدیک سب سے زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رکوع میں جانے اور سر اٹھانے کے وقت ہاتھ اٹھانے (یعنی رفع الیدین) کو مستحب خیال کرتے تھے اسی لئے کبھی کرتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی بات کہ مسئلہ کے دونوں اختلافی پہلو کو حضرت عمرؓ جائز سمجھتے تھے بسم اللہ کے آواز بلند و پست کے قصے میں درج کرنے کے بعد شاہ صاحب نے بھی اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے جس کا تفصیلی ذکر میں پہلے کر چکا ہوں یعنی قرآنی الفاظ میں قرأت اور تلفظ کے اختلافات کے ہر پہلو کو جائز اور کافی ٹھہراتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام میں اختلافات کے بعد قرأت کرنے کی جو گنجائش پیدا کی تھی، اسی واقعہ کا ذکر شاہ صاحب نے بھی کیا ہے بسم اللہ والے اختلافی روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

الاوجه عندی ان عمر تعلم من النبی صلی اللہ علیه وسلم فی قصة مع هشام بن حکم ان القرآن انزل علی سبعة احرف کلها کاف شاف ص ۹۱ ج ۲

مرے خیال میں لگتی ہوئی بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قصے میں جو ہشام بن حکم کے ساتھ پیش آیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سیکھی تھی کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے سب ٹھیک اور شفا بخش ہے۔

اس کے بعد پھر بسم اللہ کے متعلق حضرت عمرؓ سے نقل کرنے والوں نے مختلف روایتیں جو نقل کی ہیں، سب ہی کی شاہ صاحب نے تصحیح کی ہے اور قرار دیا ہے کہ ان تمام پہلوؤں کو حضرت عمرؓ جائز سمجھتے تھے اسی لئے کبھی یہ کرتے تھے کبھی وہ کرتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے ایک اور واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے عجیب بات لکھی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ صرف قرأتوں کے اختلافات ہی کی حد تک نہیں بلکہ قرآنی عبارت کے مطالب کے سمجھنے میں بھی دو مختلف نقاطِ نظر کی تصحیح کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخی نظیر چھوڑی ہے یہ مسئلہ کافی دلچسپ مگر ذرا تفصیل طلب ہے خلاصہ یہ ہے کہ پانی کے نہ ملنے کی صورت میں بجائے وضو، کے تیمم کرکے نماز پڑھ لینی چاہئے یہ تو خیر اتفاقی مسئلہ ہے لیکن بجائے وضو کے اگر کسی کو غسل کی حاجت ہو، یعنی ناپاک اور جنب ہونے کے بعد کوئی نہانا چاہے اور پانی وقت پر نہ ملے تو بجائے غسل کے تیمم ہی کرکے نماز پڑھنے کے قابل اپنے آپ کو کیا بنا سکتا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس[1] میں شک نہیں کہ اب تو سارے ائمہ اجتہاد کی طرف سے اس کا جواب اثبات ہی میں دیا جاتا ہے یعنی طے کر دیا گیا ہے کہ تیمم جیسے وضو کا قائم مقام بن سکتا ہے اسی طرح غسل کی قائم مقامی کا کام بھی ضرورت کے وقت تیمم سے لیا جا سکتا ہے۔

لیکن تیمم کے مسئلہ کی جو تاریخ ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدا اسلام میں بعض لوگ تیمم کو صرف وضو ہی کا قائم مقام سمجھتے تھے اور غسل کے مسئلہ میں ان کا خیال تھا کہ

لا یتیمم الجنب وان لم یجد الماء شھراً — جنب (یعنی ناپاک آدمی) تیمم نہ کرے خواہ مہینہ بھر بھی اسے پانی نہ ملے۔ بحوالہ ازالۃ الخفاء

کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود کا یہی خیال تھا، ان دونوں حضرات کے اس خیال کی بنیاد کیا تھی اس وقت اس کی تفصیل میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں اس موقعہ پر جو ایک عجیب و غریب نکتہ درج کیا ہے صرف اس کا ذکر مقصود ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ اس

---

[1] قصہ یہ ہے کہ ایک دن کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری صحابی نے عبداللہ بن مسعود سے یہی مسئلہ پوچھا کہ بجائے غسل کے ناپاک آدمی کیا بضرورت تیمم نہیں کر سکتا اس پر عبداللہ نے کہا کہ ہاں! نہیں کر سکتا، خواہ پانی ایک مہینہ تک نہ ملے تب ابوموسیٰ نے قرآن کی آیت سورۂ مائدہ والی تلاوت کی جس میں دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ او لمستم النساء (یعنی اگر تم عورتوں کو) فلم تجدوا ماءً (پھر نہ پاؤ تم پانی)، فتیمموا صعیداً طیباً (پس تیمم کرو پاک مٹی کے ساتھ) جس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہم بستری میں ناپاک ہونے کے بعد پانی اگر کسی کو نہ ملے تو تیمم کرلے۔ ابن مسعود بجائے اس بات کے کہ آیت کا جواب دیتے کہنے لگے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے گی تو معمولی سردی اور ٹھنڈک میں بھی لوگ بجائے غسل کے تیمم سے کام چلانے لگیں گے ابوموسیٰ نے کہا کہ اچھا تو تم لوگ تیمم کو جو ناپسند کرتے ہو اس کی وجہ یہ ہے؟ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں؟ تب حضرت ابوموسیٰ نے ابن مسعود کو حضرت عمرؓ اور حضرت عمار کے سفر کا واقعہ یاد دلایا جس میں عمرؓ اور عمار میں اسی مسئلہ پر اختلاف ہوا تھا۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ بجائے غسل کے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے مگر عمار کو وضو والا تیمم تو معلوم تھا لیکن غسل کی جگہ تیمم کرنے کی شکل کیا ہونی چاہئے اس کا علم ان کو نہ تھا، قیاس کر کے

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلہ میں یعنی تیمم غسل جنابت کا قایم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں اس میں ابتداءً اختلاف ایک سفر کے موقع پر حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان پیش آیا عمرو بن عاصؓ نے قرآن کی آیت جو سورۂ مائدہ میں ہے اس کو پیش کر کے استدلال کیا کہ ضرورت کے وقت بجائے غسل کے تیمم کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو دعویٰ کے ثبوت کے لئے ناکافی قرار دیا، دونوں میں بحث ہوئی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیال پر قایم رہا سفر سے واپس ہونے کے بعد مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا ہر ایک نے اپنا خیال اور خیال کی جو بنیاد تھی بارگاہ نبوت میں اسے عرض کیا روایت کو لوگوں نے جس طریقہ سے بیان کیا ہے جس کی حاشیہ میں تفصیل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار ہی کے خیال کی تائید کی، صرف غسل والے تیمم کے متعلق ان کا جو یہ خیال تھا کہ گرد میں لوٹ پوٹ کر پورے جسم پر گرد کا اثر پہنچانا چاہئے صرف اس کی ترمیم کردی گئی کہ وضو والے تیمم کی شکل غسل کے تیمم کے لئے بھی کافی ہے بظاہر چاہئے تو یہی تھا کہ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ اپنے خیال سے ہٹ کر عمار کے خیال کو مان لیتے لیکن حاشیہ والی روایت میں ابن مسعود نے جو یہ کہا کہ (باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انھوں نے زمین میں لوٹ لگائی گویا بجائے پانی کے خاک دھول سے انھوں نے غسل کیا۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے قصہ جو پیش آیا تھا دہرا دیا گیا، آنحضرت نے عمار سے کہا کہ زمین میں لوٹ لگانے کی ضرورت نہ تھی صرف یہ کافی تھا یعنی اشارہ کر کے آپ نے بتایا کہ وضو والا تیمم جیسے کیا جاتا ہے بس یہی غسل کے لئے بھی کافی تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے عمار ہی کے خیال کی توثیق ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا خیال اگر صحیح ہوتا تو چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار سے کہتے کہ تم نے جو تیمم کیا وہی غلط تھا ابو موسیٰ نے ابن مسعود کو بھی یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمار کے خیال کی توثیق کی تو اب غسل کا قایم مقام تیمم نہیں ہو سکتا اس خیال کی گنجائش ہی کیا باقی رہتی ہے ابن مسعود نے ابو موسیٰ کے اس بیان کو سن کر کہا کہ الم تر عمر لم یقنع بقول عمار (تم نے نہیں دیکھا کہ عمار کے قول پر حضرت عمرؓ کو اطمینان نہ ہوا)

© rasailojaraid.com